حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق کے پچھلے دورۂ ایران کی سرگزشت

(قسط نمبر ۱۱)

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد بزرگ آزادی ہوٹل میں کل ہفتہ 8 مئی 2004 کے پروگرام کے بارے میں مشاورت ہوئی۔ باہمی مشاورت سے قم جانا طے ہوا۔ مجمع التقریب کے نائب سیکرٹری جلال الدین میرآقائی نے پروگرام شیڈول سے آگاہی دلاتے ہوئے کہا کہ کل صبح انشاء اللہ 8 بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ رات بخیر و عافیت گزارنے کے بعد حسب پروگرام ہمارا قافلہ قُم کی طرف روانہ ہوا۔ قم کی حیثیت اہل تشیع کے ہاں وہی ہے جو اہل سنت کے ہاں جامعۃ الازھر، دیوبند اور انگریزوں کے ہاں آکسفورڈ یا ان جیسے دیگر بڑے تعلیمی مراکز والے شہروں کی ہے۔ قم کے بارے میں مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ کمندان سے مختصر اور معرب ہے۔ اسی شہر میں ایران کے اہل تشیع کی دوسری بڑی زیارت گاہ سیدہ معصومہ بھی واقع ہے۔

آیئے قم داخل ہونے سے قبل اس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

قُم پر ایک نظر: قُم شمالی ایران کا مشہور شہر ہے۔ جو ۵۰ درجہ ۵۳ دقیقہ طول بلد اور ۳۴ درجہ ۳۸ دقیقہ عرض بلد پر سطح سمندر سے ۹۳۰ گز کی اونچائی پر واقع ہے۔ یہ تہران کے جنوب میں ۱۴۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مواصلاتی اعتبار سے بھی قم ایران کا اہم شہر جانا جاتا ہے۔ تہران سے اصفہان، شیراز، کرمان، اہواز، یزد، زاہدان وغیرہ جیسے اہم شہروں سمیت خلیج فارس اور بحیرہ عمان کی اہم بندرگاہوں اور تیل کے ذخائر تک جانے والی سڑکیں اور ایرانین ریلوے لائن قم سے ہوکر گزرتی ہے۔ قم کے قالین دنیا بھر میں عمدہ اور نفیس شمار ہوتے ہیں۔ قم زمانہ قبل از اسلام سے آباد ہے۔ اسے ۲۳ھ بمطابق ۶۴۴ء میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ دوسری صدی ہجری تک یہ اصفہان کے ماتحت رہا۔ ہارون الرشیدؒ نے اسے مستقل حیثیت سے نوازا۔ خلیفہ المامونؒ کے عہد میں قم نے بغاوت کی اور یحییٰ بن عمران کی زیر قیادت محاصل ادا کرنے سے انکار کردیا۔ خلیفہ نے علی بن ہشام المروزی کو روانہ کیا جس نے قم کی فصیل منہدم کرکے ستر لاکھ درہم تاوان جنگ عائد کردیا۔ المعتز کے دور خلافت میں یہ عہد نامہ توڑ دیا گیا۔ تو اس پر خلیفہ وقت نے عراق عجم کے عامل موسیٰ بن بوغاء کو فوج کے ہمراہ بھیجا جس نے اصلاح احوال کی۔ ساتویں صدی میں جب مغلوں نے حملہ کیا تو انہوں نے اس شہر کو بھی تاراج کیا۔ نویں صدی ہجری میں یہ دوبارہ آباد ہوا۔ صفوی دور میں قم کو خاص اہمیت حاصل رہی اور اس کی آبادی پچاس ہزار تک پہونچ گئی۔ یہاں پانچ صفوی بادشاہان بھی مدفون ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: (۱) شاہ صفی (۲) شاہ عباس دوم (۳) شاہ سلیمان

(۴) شاہ سلطان حسین (۵) شاہ طہماسپ دوم لغت دہ خدا (فارسی زبان میں ایرانی انسائیکلوپیڈیا کی کتاب) کے مطابق افغانیوں نے بھی ایک دور میں اسے ویران کیا۔ اور پھر فتح علی شاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ حضرت معصومہؒ کا گنبد بھی اسی نے بنوایا اور موصوف نے اپنے لئے بھی یہیں قبر بنوائی اور وہ دو بیٹوں سمیت یہاں مدفون ہے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ سے کٹر شیعہ رہے ہیں۔ قم کی اصل وجہ شہرت اس وقت دینی اور ثقافتی پہلو سے ہے، دینی لحاظ سے قم دنیا کے اہل تشیع کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ شیعوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کی بیٹی اور آٹھویں امام علی رضا کی بہن سیدہ فاطمہ کا مزار بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ شہر کی آبادی و ترقی کا بنیادی سبب یہی مزار ہیں۔ ۲۰۱ھ میں موصوفہ حضرت امام رضا سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ سے یہاں آئیں، جب قم کے قریب ساوہ پہنچی تو بیمار پڑ گئیں۔ ایک دو ہفتے قم میں ٹھہرے رہنے کے بعد بیماری کے عالم میں انتقال فرما گئیں اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی پہلی چنگاری قم سے ہی بھڑک اٹھی تھی۔ بانی انقلاب امام خمینی نے اپنے انقلابی افکار کا پرچار اور شاہ کے خلاف للکار کا آغاز اسی مقام سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے بعد اس شہر کو خاص اہمیت اور مقام سے نوازا گیا۔ یہاں سینکڑوں اعلیٰ سطح کے مدارس شیعہ اصولوں کے مطابق تعلیم دینے میں مصروف عمل ہیں۔

<u>**لطیفہ قاضی قم:**</u> مولانا سمیع الحق اور مولانا حسن جان نے دوران سفر قاضی قم کے معزولی سے متعلق مشہور لطیفہ بھی سنایا جو کچھ یوں ہے کہ حکمران وقت نے یہاں کے قاضی سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ایھا القاضی بقم قد عزلناک فقم۔" جس کا معنی ہے "اے قم کے قاضی ہم نے تمہیں معزول کر دیا لہذا اپنی مسند قضا سے اٹھ کھڑے ہو"۔ بعد میں قاضی موصوف اپنی وجہ معزولی سے متعلق کہتے ۔انا معزول السجع من غیر جرم ولا سبب ۔ "میں بغیر کسی جرم اور سبب کے صرف قافیہ بندی کے شوق سے معزول کیا گیا"

ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم قم شہر میں داخل ہوئے۔ قم ایک صاف ستھرا، سادہ اور خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کی عمارات ایک منظم انداز سے بنائی گئی ہیں۔

<u>**آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات اور باہمی گفتگو:**</u> مرتب شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں سب سے پہلے شیعوں کے مرجع دین کی حیثیت سے متعارف، ایک علمی اور دینی شخصیت آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات کیلئے لے جایا گیا۔ موصوف مدرسہ علمیہ حسینیہ کے مدیر اور ۱۴۰ کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ مدرسہ کے مین دروازے پر سن تاسیس شمسی تاریخ کے مطابق ۱۳۶۸ھ لکھا تھا۔ ہماری ملاقات ان سے مدرسہ میں واقع ان کے دفتر میں ہوئی۔ انہوں نے تمام مہمانوں کا والہانہ انداز سے استقبال کیا۔ ان سے جو بات چیت ہوئی اسکی مختصری جھلک نذر قارئین ہے:

<u>**قم کی تعلیمی مرجعیت:**</u> قم کے بارے میں شیرازی صاحب نے بتایا کہ یہاں چالیس ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں جن میں تیس ہزار مقامی اور دس ہزار غیر ملکی ۹۰ مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ قم میں مدارس و مراکز کی تعداد 200 ہے۔ جن میں مختلف فیکلٹیز حدیث، تبلیغ، فقہ اور علم کلام کے نام سے قائم ہیں۔ ان مراکز سے مختلف رسائل و جرائد اور

اخبارات کی یومیہ‘ ہفت روزہ‘ ماہانہ اور سہ ماہی اشاعتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ علمی سلسلہ ائمہ اہل بیت کے زمانے سے یہاں جاری ہے۔ انہوں نے ہمیں قم کا تعارف تعلیمی‘ تاریخی اور تبلیغی حیثیت سے کیا۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہم بچپن سے قم کے تذکرے اور علمی حیثیت سے متعلق سنتے اور پڑھتے آئے۔ آج اسے عین الیقین سے دیکھا۔ شیرازی صاحب نے سوال کیا کہ پاکستان میں دینی تعلیم کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ صرف اہل سنت کے دیوبندی مکتب فکر کے دس ہزار مدارس وہاں مصروف عمل ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد عورتوں کے مدارس کی بھی ہے۔ ایران میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں شیرازی صاحب نے کہا کہ جمعیت الزہرئ تنظیم کے تحت یہاں ہزاروں عورتیں ابتداء سے منتہی درجات تک پڑھتی ہیں۔ شیرازی صاحب نے دینی مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کے بارے میں سوال کیا تو احقر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے جواب دیا کہ حکومت امریکی ایماء پر ان مدارس کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی ہے۔ امریکہ نے اس سلسلہ میں حکومت کو 600 ملین ڈالر سے نوازا ہے۔ تاکہ اس خطیر رقم کو ان مدارس پر تقسیم کر کے انہیں خریدا جاسکے۔ لیکن الحمدللہ تا حال وہ امریکی روپیہ حکومت کے پاس پڑا ہے۔ ہر مدرسہ نے اس حکومتی اور امریکی امداد کو ٹھکرایا۔ مولانا سمیع الحق نے میری بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ یہ نہایت ہی خطرناک صورتحال ہے۔ ہماری حکومتوں کی اولین ترجیح یہ ہے کہ ہمارا نصاب تبدیل کیا جائے اور ایسا عصری نصاب دیا جائے جو دینی حمیت وغیرت سے عاری ہو۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ ان ہی مقاصد کی بنیاد پر عصری تعلیمی مراکز‘ اسکولز و کالجز میں جہاد سے متعلق آیات نصاب سے حذف کردی گئیں۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ امریکہ نے مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کا شکار کر کے کمزور بنادیا ہے اور اب ان کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔

<u>دارالحرب اور دارالاسلام کی تعبیر:</u> دارالحرب اور دارالاسلام کی بات آئی تو مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ میرے پاس امریکہ‘ یورپ اور دیگر مغربی ممالک کے پریس اور میڈیا کے نمائندے اکثر انٹرویوز کرنے آتے ہیں۔ انہوں نے دارالحرب کے بارے میں سوال کیا تو میں فقہاء کے تصریحات میں پڑھ کر ان کی ذہنی الجھنوں کو بڑھانے سے گریز کرنا چاہتا تھا‘ مگر ان کے طنزیہ انداز کو سمجھ جاتا ہوں تو میرے ذہن و دماغ میں اس کی ایک نئی تعبیر آئی‘ جسے میں نے ان کے سامنے بیان بھی کیا کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں جس کے رہنے والے ہر وقت جنگ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اسلئے ان علاقوں کو دارالحرب کہا گیا۔ جبکہ دارالاسلام والے ہر وقت سلامتی اور امن کے بارے میں سوچتے ہیں اسی لئے اس کے رہنے والے کو مسلمان اور اس علاقہ کو دارالاسلام کہا جاتا ہے۔ اس پر علامہ شیرازی صاحب نے کہا کہ آپ کی یہ تعبیر بھی الہامی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔ اس نے بتایا کہ آپ اہل سنت ایران آئیں اور ہمارے اہل تشیع پاکستان جائیں تو اس طرح باہمی اخوت و محبت پروان چڑھے گی۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ جس طرح عالم کفر کا ظہور الکفر ملة واحدة کی صورت میں آج سامنے ہے تاریخ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔ شرق، غرب کی تمام کفری طاقتیں سب ایک نقطے پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو مٹاؤ۔ ان حالات میں ہمیں باہمی اختلافات کو پس

پشت ڈال کر یکجا صورت میں مقابلہ کرنے کی تیاری کرنی ہوگی۔ ورنہ تو ہمارا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ یورپ کے پندرہ ممالک یورپی یونین کے تحت ایک ہو سکتے ہیں جبکہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے کیوں نہیں ایک ہو سکتے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ اگر ہم سوچ و فکر سے کام لیں تو ہمارے لئے یہی بات ہی اتحاد کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے کہ کفر تمام اختلافات بھلا کر ایک ہو چکا ہے اور ہم ابھی تک دست و گریباں ہیں۔

ایران میں اسلام کی آمد: مولانا حسن جان نے شیرازی صاحب سے سوال کیا کہ ایران میں اسلام کب آیا ہے؟ تو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہاں ائمہ اہل بیت آئے تھے۔ علی ابن جعفرؒ حسن عسکریؒ سیدہ معصومہؒ ہمشیرہ امام رضا‘ اور خود امام علی رضاؒ کی زیارات یہیں ہیں۔ بقول مولانا حسن جان میں شیرازی صاحب سے یہ کہلوانا چاہتا تھا کہ ایران دور فاروقی میں فتح ہوا۔ لہٰذا یہاں کا اسلام حضرت عمر فاروقؓ کے مرہون منت ہے۔ یہاں ہماری تواضع مشروبات اور چائے وغیرہ سے کی گئی۔ اس ملاقات کے اختتام پر شیرازی صاحب نے ہمارے وفد کے جملہ اراکین کو اپنی بعض مطبوعات جن میں ان کی ضخیم تفسیر الامثل (۲۰ جلدوں میں) بھی شامل تھی‘ سے نوازا۔ اس کے بعد ہم نے ان سے رخصت لی۔ یہاں سے ہم آیۃ اللہ سیستانی کے قائم کردہ مدرسہ کی طرف گئے۔

مجتمع مسکونی آیۃ اللہ العظمی السیستانی جہاں ہمارا استقبال حجۃ الاسلام آغا سید جواد شہرستانی نے کیا جو آیۃ اللہ سیستانی کے داماد اور اس مدرسہ کے موجودہ سربراہ ہیں۔ وہ ہمیں سب سے پہلے طلباء کی رہائشی گھروں کی طرف لے کر گئے۔ دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ یہ نو تعمیر شدہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں متاٴہلین طلباء (شادی شدہ) کو دو بیڈ روم‘ ڈرائنگ روم‘ باتھ روم‘ ٹائلٹ اور کچن پر مشتمل مکانات سکونت کیلئے دیئے جاتے ہیں۔ ایک مکان ہمیں نمونہ کے طور پر دکھایا گیا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس مکان میں صرف مکینوں کی کمی ہے باقی روزمرہ کی جملہ سہولیات موجود ہیں۔ اسی طرح کے 340 مکانات دو اہل خیر حضرات نے طلباء کیلئے بنائے ہیں۔ جن میں نادار فقراء طلباء کو وظائف سے بھی نوازا جاتا ہے۔ میں نے چلتے چلتے پوچھا کہ آپ کے مدارس کے آمدن کے ذرائع کیا ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ لوگ خمس دیتے ہیں۔ خمس نقدی میں اور 19 دیگر اشیاء مالی میں زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ طلباء کے مفت علاج کیلئے یہاں ایک ہسپتال کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ آنکھوں کا ہسپتال علیحدہ قائم ہے‘ جس میں ایک لیزر مشین چار لاکھ ڈالر کی مالیت سے خریدی گئی ہے۔

مکتب رئیسی حوزہ علمیہ آیۃ اللہ سیستانی: مدرسہ کے معائنہ کے بعد ہمیں مدرسہ کے مرکزی دفتر میں بات چیت اور باہمی گفتگو کے لئے بٹھایا گیا۔ یہاں ہماری ملاقات شیخ مصطفیٰ الہرنجی سے ہوئی۔ موصوف کثیر التالیف مصنف و مؤلف ہیں۔ آیۃ اللہ سیستانی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ سیستان میں پیدا ہوئے‘ قم میں پڑھے اور اس وقت گزشتہ پچاس برس سے نجف اشرف عراق میں مقیم ہے۔ ہرنجی صاحب نے بتایا کہ جہاد کا موقف پورے عالم اسلام کی طرف سے ہونا چاہیے اس طرح سے یہ زیادہ موثر کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

یہاں ہماری تواضع مشروبات اور کھجوروں سے کی گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کھجور ایرانی ہیں یا عراقی ؟ تو شہرستانی صاحب نے بتایا کہ عراق میں کھجور کی پیداوار بہت زیادہ تھی لیکن صدام حسین نے جنگ کی وجہ سے کھجور کے درختوں کو کٹوا دیا۔ مولانا سمیع الحق نے آیۃ اللہ سیستانی کے بارے میں پوچھا کہ وہ ایران کیوں نہیں آتے ؟ تو بتایا گیا کہ وہاں کے کثرت مشاغل ان کے یہاں آنے سے مانع ہیں۔ یہ نشست تقریباً دو گھنٹے سے زیادہ رہی۔ یہیں ہم نے دوپہر کا کھانا بھی کھایا اور پھر ان سے رخصت لی۔

مرکز تحقیقی مجمعٔ التقریب قم میں مجمع التقریب کا ایک تحقیقی مرکز قائم ہے۔ جس میں ایک بڑی لائبریری بھی ہے۔ وہاں جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس کتب خانے میں ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ محفوظ ہے۔ بعض کتابوں جیسے آیات الاحکام المقارنۃ ان تجمع آیات الاحکامیہ من السنیہ والشیعیہ۔ القواعد الفقیہ المقارنہ۔ التفسیر الاثری یعنی تفسیر المنقول ۔ علاقۃ الاسلام والغرب وتاریخھا ۔ اشتراکات الحدیث وغیرھم کی سرسری ورق گردانی بھی احقر نے کی۔ یہ عجیب بات بھی علم میں آئی کہ اہل تشیع احادیث میں صرف امام تک سند بیان کرنے کے قائل ہیں اور اس سے آگے سند بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ میں نے یہاں بعض علماء سے سوال کیا کہ حدیث کی صحت اور ضعف وسقم کا مدار تو سند پر ہوتا ہے اگر آپ سند بیان نہ کریں تو اس کا امتیاز کس طرح سے ممکن ہوگا۔ جس کا خاطرخواہ جواب وہ نہ دے پائے۔ ان کا جواب یہی تھا کہ امام کا مرتبہ اور مقام عالی ہے۔ اسلئے جب وہ احادیث بیان کرے تو پھر اس کی تحقیق وتتبع مت کرو۔ اس مرکز کے فوقانی منزل کے ایک کمرے میں ہمیں کچھ دیر قیلولہ کرنے کا موقع بھی ملا۔ یہاں سے فراغت پر منتظمین نے ہمیں دو کتابیں تحریر المجلہ کتاب شناسی تفصیلی مذاہب اسلامی بھی دیں۔

حوزہ علمیہ قم کے مرکز تبلیغات میں: اس کے بعد قم کے تبلیغات کے مرکز میں جانا ہوا' یہاں ہماری ملاقات حجۃ الاسلام پاریناں' معاون ومشیر تعلیم رئیس دانش گاہ قم حجۃ الاسلام دکتور صالحی ۔ حجۃ الاسلام سکندری' معاون تبلیغ قم اور حجۃ الاسلام ہاشمی' مدیر تبلیغات قم سے ہوئیں۔ ہمیں بات چیت اور باہمی گفتگو کیلئے اس مرکز کے کانفرنس روم میں لے جایا گیا۔ یہاں گفتگو کا آغاز آغا ربانی نمائندہ رہبر بلوچستان وعضو ہیئہ علمی ورئیس دفتر تبلیغات نے کیں۔ انہوں نے بتایا گیا کہ ان مدارس میں فقہ' اصول فقہ' علم کلام' فلسفہ اور تفسیر جیسے دینی علوم کے علاوہ عصری علوم جیسے اقتصادیات وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ حوزہ علمیہ کے بارے میں بتایا گیا کہ اس میں بہت سارے مدارس شامل ہیں۔ گویا اس کی حیثیت ایک وفاق کی طرح ہے۔ جس میں مدرسہ فیضیہ زیادہ شہرت یافتہ ہے۔ جب ان سے ان مدارس کے ذرائع آمدن ومصارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شیعہ فقہ کے مطابق لوگوں سے خمس لیا جاتا ہے اس کے علاوہ اوقاف کی آمدنیاں بھی ان مدارس پر خرچ کی جاتی ہے۔ نہ صرف اہل تشیع پر بلکہ اہل سنت کی مدد وتعاون بھی اس سے کروائی جاتی ہے۔ تاکہ باہمی تلطف اور محبت پیدا ہو۔ یہاں طلباء کا باقاعدہ بیمہ بھی کروایا جاتا ہے۔ کوئی طالب علم بیمار

پڑ جائے تو اس کا علاج معالجہ وغیرہ بھی یہی ادارے کرواتے ہیں۔حاجی آغا ربانی نے کہا کہ ہمارا باہمی تعارف تالف میں بدلنا چاہیے۔

ملی یکجہتی کونسل کا ذکر: مولانا سمیع الحق نے اس سلسلہ میں پاکستان میں بڑی کوششوں سے قائم کئے گئے ملی یکجہتی کونسل اور اس کے مثبت نتائج سامنے آنے کا ذکر کیا اور متفقہ طور پر طے کئے ۱۷ نکات پر مشتمل ضابطہ اخلاق کی تفصیل بیان کی جس پر شیعہ سنی تمام مکاتب فکر کے اکابر نے دستخط کئے اور اسلام کے تمام مقدس شخصیات صحابہ اکرام اہل بیت اور ازواج مطہرات سمیت سب کی بے ادبی سے اجتناب کا عہد کیا گیا' مولانا نے اس مجلس سے بھی اس نہج پر کام کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں ہم آپ کے تعاون کے بھی طلبگار ہیں۔قرآن نے اعتصام واخوت کا درس دیا ہے۔آغا ربانی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہاں تو مسلسل یہی دعوت دی جاتی ہے۔ایران میں مختلف مسالک کے لوگوں کو ان کے اپنے مسلک کے مطابق میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جیسے کہ کردستان کے علاقہ میں شوافع کے مذہب ومسلک کے مطابق قضا اور احناف کے علاقوں میں احناف کے مطابق فیصلے دیئے جاتے ہیں۔ان علاقوں میں لوگوں کو اساتذہ اور کتابیں بھی حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔وہاں کی تعمیر کی بھی اجازت ہے۔زاہدان میں مولانا عبدالحمید صاحب کے ہاں اتنی بڑی مسجد بنائی گئی ہے جتنی بڑی کہ مسجد نبویؐ (مبالغہ) ہے۔اس حد تک محبت و اخوت کی فضا ہے کہ شیعوں کے اکثریتی علاقوں سے بعض مقامات پر اہل سنت کے افراد پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو کر آئے اور اسی طرح بعض اہل سنت کے اکثریتی علاقوں سے شیعہ ممبر منتخب ہو کر آئے۔جہاں کوئی کسی شخص یا اس کے مسلک کی توہین کرتا ہے اسے پابند سلاسل کیا جاتا ہے۔

مولانا حسن جان نے گفتگو کے دوران سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ آیۃ اللہ' آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ اللہ اور حجۃ الاسلام والمسلمین یہ کوئی منصب ومرتبہ ہے یا کوئی سند وڈگری ہے یا علمی مدارج کے نام ہیں جن سے آپ اپنے علماء کو نوازتے ہیں؟ ان کا جواب تھا ائمہ کے زمانے سے یہ سلسلہ رائج ہے کہ مختلف شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے علماء کو ان القابات سے پکارا جاتا ہے۔

صحابہ سے محبت احسان شناسی کا تقاضا: مولانا حسن جان نے دوران گفتگو ان کی بعض کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کتابوں میں آپ کے اکابر نے صحابہ کرامؓ پر جرح وتنقید اور حتیٰ کہ سب وشتم تک کیا ہے۔صحابہؓ سے محبت وعقیدت' ایمان اور احسان شناسی کا تقاضا ہے۔اگر اہل سنت کی طرف سے کسی بھی کتاب یا مقام پر آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو آپ ہمیں اہل سنت کی کوتاہیوں سے آگاہ کیجئے تاکہ ہم نہ صرف اس کا محاسبہ اور تدارک کرسکیں بلکہ ان کو باقاعدہ سزا بھی دینے کے لئے تیار ہیں۔اہل سنت تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

اتحاد کیلئے بعض چیزوں سے دستبرداری: میں نے عرض کیا کہ اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کیلئے اخلاص سے کوشش کرنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ٹھوس اور فطری بنیادوں پر یہ عمل ہونا چاہیے۔حضرات صحابہ کے محاسن و

کمالات کا اعتراف اور ان سے عقیدت ومحبت از حد ضروری ہے۔وہ معیار ایمان ہے' تقریب بین المذاہب کے لئے ہمیں کچھ چیزوں سے دستبردار ہونا اور کچھ میں کسر وانکسار سے کام لینا پڑے گا۔

افتراق وتشتت کا سبب بننے والی چیزوں سے احتراز : یہ بحث وتمحیص کافی دیر تک چلتی رہی اس بحث کو سلجھانے کے لئے مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہمیں آئندہ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا جو دل آزاری اور افتراق وتشتت کا سبب ٹھہرے۔یا اس سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات متاثر ہوئے۔اگر ہم گزرے لوگوں (جنہوں نے ایسا کیا ہو) کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں تو کم ازکم موجودہ لوگوں کو اتحاد و وحدت کی خاطر یہ امور چھوڑنے ہوں گے۔فرمایا کہ

تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

برادرانہ لب ولہجہ اختیار کرنا: مولانا فضل الرحمٰن نے بھی بحث سمیٹتے ہوئے کہا کہ ہمیں آئندہ تحریر وتقریر ہر دو میں برادرانہ لب ولہجہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وحدت واتحاد کی امید ورجا پیدا ہوسکے۔اس طرح سے یہ بحث اختتام پذیر ہوئی۔یہاں ہماری تواضع تازہ میوہ جات سے کی گئی۔رخصت ہوتے ہوئے ہمیں فقہ امام جعفر صادقؒ نامی کتاب جو کہ تین جلدوں پر مشتمل تھی' ہدیہ میں دی گئی۔

ایرانی انقلاب کے امام خمینی کے مزار پر: یہاں سے رخصت لینے کے بعد مغرب سے پون گھنٹہ قبل ہم واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔چلتے وقت طے ہوا کہ راستہ میں ایرانی انقلاب کے رہبر امام خمینی کے مزار پر بھی رکیں گے۔اذان مغرب کے قریب ہم امام خمینی کے مزار پر پہنچے۔یہ مزار کیا تھا ایک بہت بڑا کمپلیکس تھا۔جو فی الحال زیر تعمیر تھا۔مزار کے چاروں کونوں پر چار بلند وبالا سنہری مینار اور بیچ میں طلائی کا گنبد دور سے نظر آتا ہے۔اس کے آس پاس کا احاطہ وسیع وعریض سبزے' خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے باغات اور سدا بہار درختوں سے پُر نظر آرہا تھا۔لوگوں کی ایک بڑی تعداد تفریح کے لئے بھی جابجا بچوں کے ساتھ بینچوں اور سبزہ زار میں براجمان نظر آئی۔مزار کے اندرونی احاطہ میں وہ رش اور ہجوم دیکھنے میں نظر نہ آیا جس کا غالب گمان احقر نے ایران کی دیگر زیارت گاہوں کو زائرین سے معمور اور آباد دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں بنایا تھا۔خمینی صاحب کے ضریح کے اردگرد ایلومونیم کا جال بنایا گیا ہے جس کے اردگرد قرآنی آیات کی خوبصورت خطاطی کی گئی ہے۔اس ضریح کے اندر لاکھوں روپیہ مختلف کرنسیوں کی شکل میں نظر آیا۔امام خمینی کے پہلو میں ان کے بیٹے احمد خمینی بھی مدفون ہیں۔طواف وآہ بکاں کی صدائیں یہاں بھی دیگر مزارات کی طرح سننے میں آئیں۔

مزار کے احاطہ کے باہر ہم نے وضو بنانے کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی۔اور اس کے بعد واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔رات گئے تہران پہنچے۔